اسلام اور حقوقِ بشر

قائدملت مولانا سید کلب جواد نقوی، جنرل سکریٹری مجلس علماء ہند

(۷)

اسلام کی مخالفت اس کے آغاز سے لے کر آج تک جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گی۔ ہر زمانہ کی طاغوتی طاقتیں اسلام سے نبرد آزما رہی ہیں اور اسکو نقصان پہنچانے کے لئے ہر وسیلہ آزمایا جارہا ہے۔ عصر حاضر میں اس نفرت انگیز مہم میں یوں تو تقریباً ہر غیر مسلم ملک شریک و سہیم ہے، لیکن پیش پیش مغربی ممالک ہیں، جن کا سرخیل وسربراہ امریکہ اور اس کا طفیلی اسرائیل ہے۔ ظاہری طور پر ان میں سے بعض کی زبانوں پر اسلام کی تعریف بھی ہے اور رمضان المبارک کے موقع پر افطار کا اہتمام بھی ہے، لیکن خفیہ طور پر اسلام کی نابودی کے لئے یہ سب ہم دست وہم پیمان ہیں اور ان کے خفیہ ایجنڈے کی اولین شق اسلام کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنا ہے۔ زبان وقلم سے پیہم حملے ہیں کہ اسلام میں تشدد ہے، خشونت ہے۔ اس کا آئین لطافتِ روحانی سے بے گانہ ہے اور حقوق بشر کو پامال کرنا اسلام کا شیوہ ہے، جب کہ درحقیقت اسلام دین رحمت ہے، دین لطف وکرم ومحبت والفت ہے۔ اس کی اولین دلیل خود قرآن مجید کی ابتدا ہے۔ کلام الٰہی کا آغاز ہی لفظ رحمن اور رحیم سے ہورہا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ آئین الٰہی کی بنیاد ہی رحمت پر ہے۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے، مفہوم: ''آپ برائی کو اچھائی کے ذریعہ رفع کیجئے'' (سورہ مومنون، آیت:۹۶) یعنی بدی کے جواب میں بدی اور ظلم کے ردعمل میں ظلم کی اجازت نہیں ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے، مفہوم: ''اے پیغمبرؐ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لئے نرم دل ہیں۔'' (آل عمران، آیت ۱۵۹) ایک مقام پر مسلمانوں کو حکم دیا جارہا ہے، مفہوم: ''ایمان والو! تم سب مکمل طریقہ سے امن وصلح کے احاطہ میں داخل ہوجاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو یقیناً وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔'' (سورہ بقرہ، آیت:۲۰۸) یہ آیہ کریمہ واضح طور پر اعلان کررہی ہے کہ قانون اسلامی کی بنیاد صلح وامن ہے۔ قرآن مجید آتش جنگ شعلہ ور کرنے والوں کو شیطان کا پیرو بتارہا ہے۔ یعنی قرآن کریم کی نظر میں جنگ پسندی سیرتِ شیطان اور امن وصلح پسندی سیرت رحمان ہے۔ کتاب رحمت ومحبت اعلان کررہی ہے، مفہوم: ''اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارا جوڑا تمہیں میں سے پیدا کیا تاکہ تمہیں سکون حاصل ہو اور پھر تمہارے درمیان محبت اور رحمت قرار دی۔ اس میں صاحبان فکر کے لئے بہت سی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔'' (سورہ روم، آیت ۲۲۰) انسانوں کے درمیان محبت اور الفت کی ایجاد کو اللہ تعالیٰ نے اپنے معجزات اور آیات میں شمار کیا ہے۔ اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ ایسے آئین میں جس کی اساس وبنیاد رحمت ومحبت ہو تشدد اور دہشت گردی کی گنجائش کہاں پیدا ہوتی ہے؟

امام جعفر صادقؑ سے کسی نے پوچھا دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''هل الدين الا الحب'' کیا دین محبت کے علاوہ بھی کچھ اور ہے؟ پھر امام نے اپنی بات کی دلیل میں قرآن مجید کی آیت پیش فرمائی، مفہوم: ''اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو رسولؐ کا اتباع کرو اللہ بھی تمہیں محبوب رکھے گا'' (آل عمران، آیت:۳۱) یعنی عمل کا محرک عشق ومحبت ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: ''الدين هو الحب والحب هو الدين''

(میزان الحکمہ، ج ۲ ص ۲۱۵) کیا جس دین میں ہر عمل کی بنیاد محبت کو قرار دیا گیا ہو؟ جہاں دین کل کا کل محبت ہو، وہاں بے دردی، قتل و غارت گری، ظلم و ستم اور دہشت گردی کے ذریعہ بے گناہوں کو مار ڈالنے کی اجازت ہو سکتی ہے؟

آج کا فلسفہ ہے کہ محبت اور جنگ میں ہر چیز جائز ہے۔ جنگ فتح کرلو چاہے بہادری سے یا چالاکی اور مکاری سے، لیکن جب اسلامی لشکر روانہ ہونے لگتا تھا تو رسول اسلامؐ اسے مخاطب کرکے فرماتے تھے کہ دیکھو جنگ کرنے تو جا رہے ہو، مگر ہوا وہوس کو دل میں جگہ نہ دینا۔ تمہارا ہر عمل مرضی الٰہی کے مطابق ہونا چاہئے اور ہر عمل میں اسلام کی سربلندی مدنظر رہے۔ فرماتے تھے: دیکھو خیانت نہ کرنا اور حیلہ و مکر سے کام نہ لینا۔ یہاں پر اپنوں کی شرط نہیں لگائی ہے، یعنی اپنوں کو دھوکہ دینا تو بہت دور کی بات ہے اسلام میدان جنگ میں جان کے دشمنوں کو بھی دھوکہ دینے کی اجازت نہیں دے رہا ہے۔ فرماتے تھے: دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی نہ کرنا۔ اگر دشمن سے کوئی عہد و پیمان ہوجائے تو اس کا احترام کرنا، ضعیف و ناتواں لوگوں کو، بچوں اور عورتوں کو، تارک الدنیا راہبوں کو ہرگز قتل نہ کرنا۔ درختوں کو نہ جلانا بہت ضرورت ہو تو ان کو کاٹنا، دشمن کے پانی کو زہر آلود نہ کرنا۔ آپ نے دیکھا کہ اسلامی رحمت صرف انسانوں کو شامل حال نہیں ہے، بلکہ اس کے دائرے میں بے جان چیزیں بھی آتی ہیں۔ اس لئے پیغمبر اسلامؐ نے حکم دیا کہ دشمن کے علاقہ میں فضاء سبز کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ اگر درخت کاٹنا ضروری ہو تو صرف اتنا کاٹو جتنی ضرورت ہو، یعنی اسلام کو بھڑکتی ہوئی آتش جنگ میں بھی ماحول کی سرسبزی کا خیال ہے۔ یہودیوں کے سب سے مضبوط قلعہ خیبر کے محاصرہ کو تین ہفتہ گذر چکے تھے، مگر قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا، یہودی انتہائی سختی سے مقاومت کر رہے تھے۔ ایک چشمہ قلعہ کے باہر سے اندر کی طرف جاتا تھا، جس سے یہودی اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ کسی نے رسول اللہ کو مشورہ دیا کہ اگر اس چشمہ کو زہر آلود کر دیا جائے تو بغیر محنت کے فتح حاصل ہوجائے گی۔ رسول اکرمؐ نے سختی سے انکار فرمایا کہ یہ بزدلی ہے، اس طرح سے اگر جنگ جیتی تو اسلام کی فتح نہیں، بلکہ شکست ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ میں ہر چیز جائز ہے، مگر اسلام میں جنگ نہیں جہاد ہے اور جہاد میں اولین شرط تقویٰ ہے۔ اس لئے جنگ بدر کے لئے قرآن مجید نے اعلان فرمایا، مفہوم: اے مسلمانو اگر تم نے میدان میں صبر کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو فتح تمہاری ہوگی۔ یہی تقویٰ ہے جو میدان جنگ کو عبادت گاہ میں تبدیل کر دیتا ہے اور جنگ جہاد بن جاتی ہے۔

رسول اسلامؐ اپنے لشکر کو خطاب فرماتے تھے، ''اگر کسی مسلمان نے چاہے وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ کسی دشمن اسلام کو پناہ دے دی تو اس پناہ دینے کا احترام کرنا اور اس کافر یا مشرک کو میدان جنگ سے کسی پر امن جگہ پر منتقل کر دینا اور اس کے سامنے انتہائی محبت سے اسلام کے امتیازات و خصوصیات پیش کئے جائیں۔ اگر وہ مسلمان ہوجائے تو اسے مسلمانوں کے سارے حقوق مل جائیں گے اور وہ تمہارا بھائی ہے اور اگر اس نے اسلام قبول نہیں کیا یا غور و فکر کے لئے مزید مہلت مانگی تو اسے بغیر کوئی نقصان پہنچائے صحیح و سالم اس کے علاقہ تک واپس پہنچا دینا اور اسے کسی بھی طرح کی اذیت و آزار پہنچانے کا حق کسی مسلمان کو نہ ہوگا۔' رسول اللہ کے یہ سارے فرمودات قرآن مجید کے عین مطابق ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان تمام کاموں کے لئے بہت بڑا دل چاہئے۔ عین میدان جنگ میں جب کہ سر کٹ کٹ کر اچھل رہے ہوں، خون کی بارش ہو رہی ہو، ایسے موقع پر اپنے دشمن کے ساتھ رحم و کرم کا برتاؤ کرنے کے لئے سمندر سے وسیع تر سینہ اور پہاڑوں سے مستحکم تر ایمان کی ضرورت ہے، اسی لئے رسولؐ اللہ نے آخر میں فرمایا: 'ان کاموں کو انجام دینے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہو۔' (بحارالانوار، ج ۴۲ ص ۲۵۷-۲۴۶)

(بشکریہ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' (اردو) ۲۵ر فروری ۲۰۱۱ء)

(۸)

پچھلے مضمون میں یہ بات اس مقام تک پہنچی تھی کہ عین

عالم جنگ میں جب خون کی بارش ہو رہی ہو، گھمسان کا رن ہو، تلواریں چل رہی ہوں، صحیح اور سچا مسلمان وہ ہے، جو ان حالات میں بھی اپنے دشمن پر زیادتی نہ کرے اور اس کے ساتھ رحم سے پیش آئے۔ آج کی تہذیب اور تمدن کی دعویدار دنیا میں بھی جنگ کے موقع پر دشمن سے رحمت اور محبت کا برتاؤ ناممکنات میں سے ہے کہ جس کا حکم اسلام نے آج سے ۱۴ سو برس پہلے اپنے ماننے والوں کو دیا ہے۔ آج بھی امریکہ کی سرپرستی میں اسرائیل کے بمبار طیارے پناہ گزیں، کیمپوں، اسپتالوں، یتیم خانوں، اسکولوں پر بمباری کرتے نظر آتے ہیں۔ بوسنیا کی بدترین مثال ہمارے سامنے ہے، جہاں ایسے ظلم ہوئے کہ حیوانیت شرمسار ہو جائے۔ کاش ہماری یہ باتیں اسلام پر الزامات لگانے والوں تک پہنچ سکیں۔ خصوصیت سے ان مسلم بچوں اور جوانوں تک پہنچیں۔ جنہیں امریکہ اور اسرائیل کے زرخرید مولوی خودکش بمبار بننے پر آمادہ کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے اب تک لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کی جانیں عراق، پاکستان، افغانستان وغیرہ میں ضائع ہو چکی ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب اتحادی فوجیوں نے جرمن کی راجدھانی برلن پر قبضہ کیا تو ظلم وستم کے طوفان اٹھا دیئے، یہاں تک کہ ماؤں کی گودوں سے بچوں کو چھین کر ہوا میں اچھالتے تھے اور گولیوں کا نشانہ بنا دیتے تھے، لیکن جب رسول اللہؐ فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے تو کیونکہ مکہ والوں نے مسلمانوں کو سخت اذیتیں دی تھیں اور کتنے مسلمان ان اذیتوں کی بدولت شہید ہو گئے تھے، اس لئے ایک بزرگ صحابی حضرت سعد ابن عبادہؓ کی زبان سے نکل گیا۔ **"الیوم یوم الملحمہ"** (آج انتقام اور خونریزی کا دن ہے) جیسے ہی رسول اکرمؐ کو اطلاع ہوئی ان کے ہاتھ سے پرچم لے لیا اور اعلان کروایا: **"الیوم یوم المرحمہ"** (آج رحم کرنے کا دن ہے) مکہ کے تمام قاتلوں اور اذیت پہنچانے والوں کو جمع کر کے اعلان کیا: **"اذھبوا انتم الطلقاء"** (جاؤ تم آزاد ہو)۔

اسلام میں اصل اولیٰ صلح اور امن ہے اور جنگ کی نوعیت وفاعی ہے۔ اسلام میں روحِ جہاد دفاع ہے نہ کہ حملہ، سیرت پاک رسولؐ اللہ کا انتہائی اہم جز یہی ہے کہ کبھی حملہ میں پہل نہیں کی۔ لشکر اسلام کے سپہ سالار سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ جب بھی دشمن کا سامنا ہو تو ان کے سامنے تین باتیں رکھو کہ ان میں سے کوئی ایک قبول کر لیں یا اسلام قبول کریں، یا جزیہ دینا منظور کریں یا پھر میدان جنگ سے پلٹ جائیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بات قبول ہو گئی تو اب جنگ کا کوئی سوال نہیں۔ حضرت علیؑ نے جنگ جمل میں اپنے لشکریوں سے خطاب فرمایا تھا "تمہاری طرف سے نہ کوئی تیر چلایا جائے گا، نہ نیزے سے وار ہوگا، نہ تم اپنی تلواروں کو نیاموں سے باہر نکالو، بلکہ اتمام حجت کرو، ان کے سامنے دلائل پیش کرو۔" جنگ صفین میں بھی اپنے لشکر کے سپہ سالار مالک اشترؒ سے فرمایا تھا: "جنگ تمہاری طرف سے شروع نہیں ہونا ہے، مگر یہ کہ طرف مقابل جنگ کا آغاز کرے۔ اگر دشمن جنگ شروع کرے، تب تمہیں اسلحہ اٹھانا ہے" یعنی جنگ کی نوعیت دفاعی ہونا چاہئے۔ مسلمانوں کی مشہور ترین تاریخ "تاریخ طبری" میں حضرت علیؑ کے جملے محفوظ ہیں کہ وہ جب بھی دشمن کے روبرو ہوتے تھے تو اپنے لشکر کو خطاب کر کے فرماتے تھے: "اگر تمہارے سامنے سے تمہارا دشمن بھاگے تو کبھی بھاگتے ہوئے کو قتل نہ کرنا، اگر دشمن زخمی ہو جائے تو اسے قتل نہ کرنا۔ اسے برہنہ نہ کرنا (عرب کا دستور تھا کہ قاتل، مقتول کی ساری چیزوں پر قبضہ کر لیتا تھا، یہاں تک کہ کپڑے بھی اتار لیتا تھا) جب دشمنوں کے گھروں تک پہنچو تو ان کے گھر والوں کی بے عزتی نہ کرنا، بغیر اجازت ان کے گھر میں داخل نہ ہونا، ان کے گھروں کو نہ لوٹنا، کسی عورت کو تکلیف نہ پہنچانا، اگرچہ وہ تمہیں گالیاں بھی کیوں نہ دے رہی ہوں، یہاں تک کہ چاہے تمہارے رہبروں اور سرداروں کو کیوں نہ برا بھلا کہہ رہی ہوں" (تاریخ طبری، ج ۵ ص ۱۰)

(بقیہ۔۔۔۔۔صفحہ ۲۲ پر)

اک صف میں سب محمدؐ و حیدرؑ کے رشتہ دار
اٹھارہ نوجواں ہیں اگر کیجئے شمار
پر سب وحید عصر و حق آگاہ وخاکسار
پیرو امامؑ پاک کے دانائے روزگار
تسبیح ہر طرف تہ افلاک انھیں کی ہے
جس پر درود پڑھتے ہیں یہ خاک انھیں کی ہے
دنیا سے اُٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود
ان کے لئے تھی بندگئ واجب الوجود
وہ عجز وہ طویل رکوع اور وہ سجود
طاعت میں نیست جانتے تھے اپنی ہست و بود
طاقت نہ چلنے پھرنے کی تھی ہاتھ پاؤں میں
گر گر کے سجدے کر گئے تیغوں کی چھاؤں میں

اقرباء المصطفى والمرتضیٰ طرابصف
هم ثمانی عشر فی العد لیست تختلف
كلهم مكلوم قلب ربه حقًا عرف
مقتد السيد الطهر عليم لا يقف
عمت الافاق منهم سجة الذكر الجميل
لقبول الذكر اضحى تربهم نعم الكفيل
فقد الكون قياما وقعود امثل ذاک
كانت الطاعة فيهم وبهم دون الكفاک
يا له طول ركوع وجود فی انتساک
متقانين لدى النسک بجهد وانهماک
حينما طرتبق فيهم طاقة عند الوقوف
قد تها و واجسدا تحت ظلال من سيوف

(بشکریہ نظامی جنتری، لکھنؤ ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء)

بقیہ۔۔۔اسلام اور حقوق بشر

دوسری جنگ عظیم کی ہولناکیوں کے بعد ۱۲/اگست ۱۹۴۹ء میں جنیوا میں ایک کانفرنس میں تجویز پاس ہوئی، جس میں جنگی قیدیوں، جنگ میں زخمی ہونے والے فوجیوں اور جنگ میں حصہ لینے والے عوام کے حقوق کی بات کہی گئی، جس میں سختی سے یہ بات کہی گئی کہ کسی جنگی قیدی کو اذیت نہیں پہنچائی جائے گی، کسی زخمی کو قتل نہیں کیا جائے گا اور نہتے عوام پر حملہ نہیں ہوگا، لیکن آپ حضرات نے ملاحظہ فرمایا کہ جن باتوں تک دنیا آج پہنچی ہے، ان حقوق کا پاس ولحاظ اسلام نے ۱۴/سو برس قبل ہی رکھا ہے اور ان تمام حقوق کا تذکرہ آج کی دنیا میں صرف کاغذ پر ہے، جب کہ اسلامی رہبروں نے چودہ سو برس پہلے ان پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ ۱۹۴۹ء میں جنیوا میں لگاتار ۴ کنونشن منعقد ہوئے، جن میں سے ہر کنونشن میں پچھلی خامیوں کو دور کیا گیا اور کچھ نئی باتوں کا اضافہ کیا گیا۔ اس کے بعد بھی ۲۰۰۵ء تک مزید اضافہ کئے گئے جو پروٹوکول یکم، دوم اور سوم کے نام سے معروف ہیں، لیکن اس کے باوجود آج کی ترقی یافتہ متمدن دنیا ان آداب جنگی تک نہیں پہنچ سکی جو اسلام نے مقرر فرمائے ہیں، نہ اس رحم وکرم کا درجہ حاصل کر سکی کہ جس تک قوانین اسلامی کی رسائی ہے، جس کا ایک ثبوت قبیلہ خزیمہ کا واقعہ ہے۔ فتح مکہ کے بعد رسول اکرمؐ نے خالد بن ولید کی سرکردگی میں ایک لشکر قبیلہ خزیمہ کی طرف روانہ فرمایا تا کہ انہیں اسلام کی دعوت دیں، لیکن جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ جب خالد بن ولید ان کے علاقہ میں پہنچے تو وہ لوگ اسلحے لے کر سامنے آ گئے۔ خالد نے انہیں پناہ دینے کا وعدہ کیا، لیکن جب انہوں نے اپنے اسلحے پھینک دیئے تو ان کا قتل عام کر دیا۔ جیسے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس عمل کی خبر ملی آپؐ نے آسمان کی طرف اپنے ہاتھ بلند فرمائے اور کہا: اے اللہ میں خالد کے اس عمل سے اظہار برائت کرتا ہوں (بحوالہ الکامل فی التاریخ، ج ۲ ص ۱۸۲) اس کے بعد حضرت علیؑ کو کچھ رقم دے کر بھیجا کہ ان میں جو بچے کھچے ہیں انہیں راضی کریں۔ حضرت علیؑ نے سب کا خوں بہا ادا کیا۔ جتنا ان کا نقصان ہوا تھا وہ سب پورا کیا۔ جن برتنوں میں جانور کھاتے تھے یہاں تک کہ اگر کتوں کے کھانے کے برتن دوران جنگ ٹوٹے تھے ان کی قیمت بھی ادا کی اور یہ سن کر آج کا ترقی یافتہ ذہن بھی حیران رہ جائے گا کہ کیونکہ عورتیں اور بچے خوفزدہ ہوئے، لہٰذا انہیں بھی معاوضہ (Compensation) دیا گیا۔ یہ ذہنی اذیت کا بالکل جدید تصور ہے جس پر آج سے چودہ سو برس قبل اسلام عمل پیرا ہوا۔ (بشکریہ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' (اردو) ۱۱/مارچ ۲۰۱۱ء) (جاری)